اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے
ادارۂ احتساب کی ضرورت

________ محمود احمد غازی

اسلامی ریاست جسے ہمارے سیاسی مفکرین نے خلافت و امامت کی اصطلاحات سے یاد کیا ہے ایک بھرپور اور ہمہ گیر ریاست ہے۔ قرآن مجید اور سنت نبوی میں امتِ مسلمہ کو جو فرائض اور ذمہ داریاں بطور امتِ وسط و خیر الامم سپرد کی گئی ہیں ان کی انجام دہی کا تنظیمی ڈھانچہ ہمارے سامنے خلافت و امامت ہی کی صورت میں آتا ہے۔ قرآن مجید کے اکثر و بیشتر احکام بصیغۂ جمع وارد ہوئے ہیں اور پوری امتِ مسلمہ ان کی مخاطب ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے لے کر نفاذ حدود تعزیرات اور بین الاقوامی قانون تک تمام قرآنی احکام پر عملدرآمد پوری امتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے اور مسلمانوں کے لئے فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ مسلم سیاسی مفکرین نے نصب امامت کو بالاجماع فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

لہٰذا امتِ مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داریوں کی بجاآوری تمام افراد امت کے لئے فرض کفایہ ہے اور امامت (یعنی حکومت وقت) اس فرض کو امتِ مسلمہ کے نائب اور نمائندہ کی حیثیت سے انجام دیتی ہے۔ سورۂ نور کی دوسری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبی ایک مفسر کا قول نقل کرتے ہیں :-

الخطاب للمسلمین، لأن اقامة مراسیم الدین واجبة علی المسلمین، ثم الامام ینوب عنهم، اذ لا یمکنهم الاجتماع علی اقامة الحدود۔

(الجامع لاحکام القرآن۔ ج ۱۲ ص ۱۶۱)

یہ خطاب تمام مسلمانوں سے ہے، اس لئے کہ دین کے احکام کو قائم کرنا سب مسلمانوں کی مجموعی ذمہ داری ہے، حکومت کی حیثیت صرف ان کے نائب کی ہے، اس لئے کہ سب مسلمان مل کر براہ راست حدود کا نفاذ نہیں کر سکتے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں ایک طرف حکمرانوں کو عوام کا نمائندہ اور نائب قرار دیا گیا وہاں دوسری طرف ان کو اس حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بھی قرار دیا گیا کہ ان کی ذمہ داریوں میں وہ سب کام شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انجام دیا کرتے تھے، یعنی تبلیغ دین، نفاذ شریعت، اقامت حدود، دفاع ملت وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے فقہاء (مثلاً ماوردی، ابویعلیٰ اور شاہ ولی اللہ) جب اسلامی ریاست کی تعریف کرتے ہیں تو اس میں تفصیلاً یا اجمالاً ان سب کاموں کا ذکر کرنے کے بعد نیابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ لکھنا ضروری خیال کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ فرائض اور ذمہ داریاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے انجام دی جائیں گی۔ فقہا اور سیاسی اور دستوری مفکرین کی اس تصریح کی علاوہ ایک حدیث سے بھی اس بات کا قوی اشارہ ملتا ہے کہ حکمرانوں کی حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت صحیحین میں موجود ہے کہ بنی اسرائیل میں سیاسی قیادت انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے، جب ایک نبی کی وفات ہوتی تھی تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا تھا لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کو نہیں آنا ہے اس لئے آپ کے بعد جانشینی کی ذمہ داری خلفاء کے سپرد ہوگی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفۃ اللہ کے بجائے خلیفۃ رسول اللہ کا لقب اپنے لئے زیادہ پسند فرمایا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست کے حکمران کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت جانشین رسول کی اور دوسری حیثیت امت کے نائب کی۔ لہٰذا ان دونوں کی ذمہ داریوں کی انجام دہی حکمران کے ذمہ ہے۔

اسلامی ریاست اور اس کے حکمرانوں کی ذمہ داریوں کو ہم حسب ذیل اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ نظریاتی	۲۔ قانونی و دستوری
۳۔ عسکری	۴۔ مالیاتی
۵۔ اقتصادی اور معاشی	۶۔ اجتماعی
۷۔ ترقیاتی	۸۔ تعلیمی
۹۔ انسانی	۱۰۔ اخلاقی

یہاں ہمیں موضوع کی مناسبت سے صرف اخلاقی ذمہ داریوں سے بحث کرنی ہے۔ اخلاقی ذمہ داریوں سے ہماری مراد ریاست کے وہ تمام فرائض ہیں جو وہ اسلامی اخلاقیات اور اسلامی اقدار کی نشو ونما، بقا وتحفظ اور تعمق و ترویج کے لئے اور غیر اسلامی اخلاقیات اور غیر اسلامی اقدار کی بیخ کنی اور سرکوبی کے لئے انجام دیتی ہے۔ قرآن کریم میں بار بار امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری بتائی گئی ہے کہ وہ سب کو بھلائی کا حکم دیتی ہے۔ خیر کی طرف بلاتی ہے، برائی سے روکتی ہے اور شر کی طرف جانے سے منع کرتی ہے۔ سورۂ حج کی مشہور آیت تمکین (آیت نمبر ۴۱) میں واضح طور پر اس کام کو مسلمانوں کے اہم ریاستی اور حکومتی کاموں میں سے ایک بتایا گیا ہے۔ جس معاشرے کے لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس کام کو چھوڑ دیں گے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی طور پر عذاب الٰہی میں مبتلا ہو جانے کے خطرے سے متنبہ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی لوگ برائی پر نکیر کرنا چھوڑ دیں گے تو وہ رفتہ رفتہ معاشرہ میں اپنی جگہ بنا لے گی اور آخر میں پھیل کر اتنی ہو جائیگی کہ اس پہ قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں :-

ان الخطيئة اذا أخفيت لم تضر الا صاحبها ولكن اذا ظهرت فلم تنكر ضرت العامة -
(السياسة الشرعية، ص ۱۲۰)

جب تک گناہ چھپا رہے تو وہ صرف اس شخص کو نقصان پہنچاتا ہے جو اس کا ارتکاب کرے، لیکن جب گناہ کھلم کھلا ہونے لگے اور اس پر نکیر نہ کی جائے تو وہ تمام لوگوں کو نقصان پہنچا کر رہتا ہے۔

لہٰذا اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ہر مسلمان کا انفرادی اور اجتماعی فریضہ قرار دیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر تو ہر مسلمان موقع اور محل کی مناسبت سے اس کام کو کسی نہ کسی طرح کر ہی سکتا ہے لیکن اجتماعی اور ریاستی طور پر کسی باقاعدہ ادارہ کے بغیر اس فریضہ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ یہی وہ ادارہ ہے جس کو حسبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کو ہم اردو میں عموماً احتساب کے لفظ سے ادا کرتے ہیں۔ زیر نظر صفحات میں ادارہ حسبہ پر مختصر سی گفتگو کرنا مقصود ہے۔

احتساب اور حسبہ کے لغوی معنی

عربی زبان اور اسلامی ادبیات میں (بالخصوص احادیث نبویہ اور کتب فضائل میں) احتساب اور حسبہ کے معنی کوئی کام خالصتہً اللہ کے لئے کرنے کے آتے ہیں۔ نیکی کا جو کام خالص اللہ کے لئے اور صرف اُسی کے اجر و ثواب کی امید اور یقین کی خاطر کیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ یہ کام حسبۃً للہ اور احتسابا ً للہ کیا گیا۔ چنانچہ مشہور حدیث جس کو امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے روایت کیا ہے اُس میں احتساب کا لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہُوا ہے۔ حدیث یہ ہے:۔

من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه۔	جس شخص نے پورے ایمان و یقین کے ساتھ اور خالصتہً اللہ کے لئے رمضان کے روزے رکھے اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

عربیت کے قاعدہ سے لفظ احتساب کے بعد جب علی کا صلہ (PREPOSITION) استعمال ہو تو اُس میں اسی کام کے اسی جذبہ کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے خلاف کرنے کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کہا جائے: احتسب فلان علی فلان عمله یعنی فلاں شخص نے فلاں شخص کے اس کام کے خلاف اس پر سخت نکیر کی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ (دیکھئے تاج العروس اور لسان العرب، ذیل حسب) اسی سے احتساب کے اصطلاحی معنی پیدا ہوئے، یعنی کسی نیک کام کے رہ کئے جانے پر یا کسی غلط کام کے لئے جانے پر نکیر اور اظہار ناپسندیدگی۔

لہٰذا لغوی اعتبار سے محتسب کے معنی ہوئے وہ شخص جو کوئی نیک کام خالصتہً اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے جذبہ سے کرے اور اس میں کسی دنیوی غرض کا شائبہ تک نہ ہو، نیز وہ شخص جو کسی معروف کی خلاف ورزی یا منکر کا ارتکاب ہوتا دیکھے تو اس پر ناپسندیدگی اور نفرت کا اظہار کرے۔

ایک اعتبار سے ہر مسلمان محتسب ہے۔ اسلامی اخلاقیات کی ترویج اور اسلامی اقدار کی بالادستی کے لئے مقدور بھر جد وجہد کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے

کہ لوگوں کو اچھائیوں کی طرف مائل کرے اور برائیوں سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ قرآن مجید کی رو سے مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کی ولی، دوست، ہمدرد اور خیر خواہ ہیں اسی لئے وہ ایک دوسرے کو ہر اچھی بات کی تلقین کرتے ہیں اور ہر بُری بات سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر مسلمان کو یہ حکم ہے کہ وہ جب کوئی بُرائی ہوتا دیکھے اور اس کے بس میں ہو تو اس کو بزور روکنے کی کوشش کرے، اگر بُرائی کو بزور روکنا اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر زبان سے اس کو بُرا کہہ کر اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کو اس سے باز رہنے کی تلقین کرکے اتمامِ حجت کرے، اور اگر حالات ایسے ہوں کہ یہ بھی اس کے لئے ممکن نہ رہے تو پھر ایمان کا ادنیٰ اور کمزور ترین درجہ یہ ہے کہ کم از کم دل سے اس کو بُرا ضرور جانے۔ جس قوم یا معاشرے سے یہ چیز ختم ہوئی ہے قرآن مجید کی شہادت ہے کہ اس پر اجتماعی عذاب آتا رہا ہے۔

اچھائی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے کے بہت سے مراحل ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا درجہ یا مرحلہ ملامت نفس ہے، یعنی انسان کا ضمیر اتنا بیدار ہو کہ اگر اس سے کوئی غلط کام سرزد ہو جائے تو پے در پے ملامت کرکے اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔ یہ وہ بیدار ضمیر ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے بھی قسم کھائی ہے۔ دوسرا مرحلہ اپنے اہل خاندان اور اہل خانہ کو برائی سے روکنے اور اچھائی پر مائل کرنے کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر اور بیوی دونوں کو راعی قرار دیا ہے اور اہل خاندان کو ان کی رعایا۔ پس جس طرح چرواہا اپنے گلّے کی نگہداشت کرتا ہے، اس کی خوراک، حفاظت اور بہبود کا خیال رکھتا ہے اور اس کو غلط رُخ پر جانے یا غلط خوراک کھانے سے روکتا ہے اسی طرح ایک باپ کو اپنی اولاد اور اپنے اہل خانہ کی اور ایک بیوی کو اپنے گھر اور بچوں کی نگہداشت کرنی چاہیئے۔ ان کو نیکیاں کرنے اور برائیوں سے باز رہنے کی تلقین کرنی چاہیئے۔ تیسرا مرحلہ عام مسلمانوں اور معاشرہ کی خیر خواہی کا ہے، ایک اسلامی معاشرہ کی شان یہ ہے کہ اس میں ہر شخص دوسرے کا خیر خواہ ہو، اس کو اچھے راستہ پر چلنے میں مدد دے اور بُرے راستہ پر چلنے سے روکنے کی کوشش کرے۔

لیکن ان سب مرحلوں سے بڑھ کر ایک مرحلہ ریاستی اور حکومتی سطح کا ہے، معاشرہ میں جہاں

کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا نفسِ لوامہ اور بیدار ضمیر ان کو ملامت کرتا رہتا ہے اور برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔ تاآنکہ وہ نفس مطمئنہ کے درجہ پر فائز ہو جاتے ہیں، جہاں ایسے روشن ضمیر اور نیاز مند نوجوان ہوتے ہیں جو گھر کے بڑوں اور اساتذہ کی تنبیہ سے باز آجاتے ہیں، جہاں ایسے پاکباز اور پاک نفس روحیں ہوتی ہیں جن کو کسی مسلمان بھائی کا ذرا سی توجہ دلا دینا کافی ہوتا ہے وہاں ایسے سرکش اور آمادۂ فساد بھی ہوتے ہیں جو ڈنڈے کے بغیر بداخلاقی سے باز نہیں آتے۔ جن کو قوت استعمال کئے بغیر برائی کرنے اور برائی پھیلانے سے باز نہیں رکھا جا سکتا، جن کو اگر کوئی چیز شر و فساد سے روک سکتی ہے تو وہ سزا کا خوف ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے تنقیۂ دماغ کے لئے احتساب کا ادارہ ضروری قرار دیا گیا ہے۔

احتساب کی اصطلاحی تعریف

احتساب کی اصطلاحی تعریفات بیان کرنے سے قبل یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ لغوی اعتبار سے احتساب کے معنی یہ کام انجام دینا جس کی تفصیل اس مقالہ کا موضوع ہے جب سے مراد وہ ادارہ (INSTITUTION) جو اس کام کو انجام دے، اور محتسب وہ شخص جو اس ادارہ کے کے ذریعہ (یا ادارہ کی عدم موجودگی میں براہِ راست) یہ کام کرے۔

امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے احتساب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

عبارة عن المنع عن منكر لحق الله صيانة للممنوع عن مقارفة المنكر۔

احتساب سے مراد یہ ہے کہ حقوق اللہ سے متعلق کسی منکر سے یعنی ناپسندیدہ کام کے ارتکاب سے روکا جائے تاکہ جس کو روکا جا رہا ہے وہ اس برائی کے ارتکاب سے باز رہے۔

(احیاء علوم الدین، جلد دوم، ص ۳۲۳ طبع قاہرہ)

مشہور شافعی فقیہ قاضی ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ) اور اسی زمانہ کے ایک اور مشہور حنبلی فقیہ قاضی ابو یعلی محمد بن الحسین الفراء (متوفی ۴۵۸ھ) نے احتساب کی تعریف یوں کی ہے:۔

هو امر بالمعروف اذا ظهر

احتساب سے مراد اچھائی کا حکم دینا جب

ترکہ و نھی عن المنکر اذا ظھر فعلہ۔	اس کو چھوڑ دینا عام ہو جائے اور کھلم کھلا اس کو چھوڑا جانے لگے، اور برائی سے روکنا جبکہ اس کو کھلم کھلا کیا جانے لگے۔

(الاحکام السلطانیۃ للماوردی، طبع قاہرہ، ۱۹۶۶ء، ص ۲۴۰، الاحکام السلطانیہ لابی یعلی الفراء، طبع قاہرہ ۱۹۶۶ء، ص ۲۸۴)

ماوردی اور ابو یعلی کی اس تعریف کو اور لوگوں نے بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ شیرزی (متوفی) نے نہایۃ الرتبہ فی احکام الحسبہ (ص ۹) میں اور ابن الاخوۃ (محمد بن محمد بن احمد القرشی الشافعی، متوفی ۷۲۹ھ) نے معالم القربہ فی احکام الحسبۃ (ص ۷) میں اسی تعریف کو اختیار کیا ہے لیکن ابن الاخوۃ نے اس تعریف میں "و اصلاح بین الناس" یعنی لوگوں کے مابین صلح صفائی کرا دینا، کے الفاظ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

اسلامی اندلس اور شمالی افریقہ کے نامور فرزند اور مسلمانوں کے مایۂ ناز مفکر و مؤرخ عبدالرحمٰن بن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) کی وضع کردہ تعریف سب سے زیادہ جامع اور مختصر ہے وہ کہتے ہیں:-

ھی وظیفۃ دینیۃ من باب الآمر بالمعروف والنھی عن المنکر	یہ ایک دینی منصب ہے جس کا تعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہے۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۲۵، بیروت ۱۹۷۸ء)

مشہور ترک فاضل حاجی مصطفٰے بن عبداللہ المعروف حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۷ھ) نے حسب عادت کشف الظنون میں جہاں مختلف علوم و فنون کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں، وہاں احتساب کے بارے میں علم احتساب کے عنوان سے بھی کچھ لکھا ہے، چونکہ انہوں نے یہاں اس کا ذکر علم احتساب کے عنوان سے کیا ہے۔ اس لئے اس تعریف میں بعض ایسی باتیں بھی آگئی ہیں جن کا براہ راست تعلق ادارۂ احتساب (حسبہ) سے بظاہر معلوم نہیں ہوتا، وہ کہتے ہیں:-

ھو علم باحث عن الامور الجاریۃ بین اھل البلد من معاملاتھم اللاتی	یہ وہ علم ہے جو اہل شہر کے درمیان ہونے والے اُن معاملات سے بحث کرتا ہے جن کے بغیر

لا يتم التمدن بدونها من حيث
اجرائها عن قانون العدل بحيث
يتم التراضي بين الطرفين وعن
سياسة العباد ينهى عن المنكر
وأمر بالمعروف بحيث لا يؤدي
إلى مشاجرات وتفاخر بين العباد بحسب
ما رآه الخليفة من الزجر والمنع،
ومبادئه بعضها فقهي وبعضها
أمور استحسانية ناشئة عن رأي الخليفة
(كشف الظنون عن اسامي الكتبة
والفنون، جلد اوّل، ص ١٥)

تمدن کی تکمیل نہیں ہو سکتی، ان معاملات کے اجراء سے اس علم میں بحث ہوتی ہے جو عدالتوں میں نافذ ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں فریقین میں باہمی رضامندی پائی جاتی ہو، یا جن کے بارے میں عوام کی اصلاح اور (حسب ضرورت) زجر و توبیخ بھی ہوتی ہو، اس کام کے لئے لوگوں کو برائی سے روکا جاتا ہے اور ان کو اچھائیوں کا حکم دیا جاتا ہے، تاکہ ان کے معاملات میں نہ تو کوئی جھگڑا پیدا ہو سکے اور نہ لوگ ایک دوسرے سے بلا وجہ آگے بڑھنے کی کوشش کریں، اس میں حکومت کو یہ صوابدید حاصل رہتی ہے کہ لوگوں کو کس طرح روکا اور باز رکھا جائے۔ اس کے بعض اصول و قواعد فقہی ہیں اور بعض استحسان پر مبنی ہیں جن کے بارے میں حکومت ہی کو فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

آخر میں ہم ماضی قریب کے ایک شامی مصنف کی تعریف نقل کرتے ہیں جنہوں نے بہت وضاحت اور ضروری تفصیل کے ساتھ ادارۂ احتساب (حسبہ) کی تعریف مرتب کی ہے یہ مصنف شام کی کلیۃ الشریعۃ کے سابق سربراہ، شام کے سابق وزیر تعلیم اور مکہ مکرمہ کی ام القری یونیورسٹی کے پروفیسر استاذ محمد المبارک مرحوم تھے، وہ کہتے ہیں:

هي رقابة ادارية تقوم بها الدولة
عن طريق موظفين خاصين على نشاط

یہ ایک ایسا نگران ادارہ ہے جس کو حکومت قائم کرتی ہے اور خاص کارندے اس کو چلاتے ہیں، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اخلاق، مذہب

الافراد فی مجال الاخلاق والدین والاقتصاد، ای فی المجال الاجتماعی بوجه عام، تحقیقاً للعدل والفضیلة، وفقاً للمبادئ المقررة فی الشرع الاسلامی وللاعراف المالوفة فی کل بیئة وزمن۔

اور معاشیات کے دائرہ میں افراد کی سرگرمیوں کی نگرانی کی جائے، یعنی ان کی عام اجتماعی سرگرمیوں کی نگہداشت ہو تاکہ انصاف اور اعلیٰ اقدار کو عملاً بروئے کار لایا جاسکے اور اس معاملہ میں اسلامی شریعت اور مختلف زمانوں اور علاقوں میں جو معروف اور پسندیدہ طریقے رائج ہیں ان کی روشنی میں اس اہم کام کو سرانجام دیا جاسکے۔ (ملاحظہ ہو محمد المبارک (متوفی ۱۴۰۲ھ) کی کتاب :۔ الدولة ونظام الحسبة عند ابن تیمیہ)

احتساب صدر اسلام میں

سرکاری سطح پر اس اہم کام کی ضرورت اسلامی ریاست کے روز آغاز ہی سے محسوس کر لی گئی تھی۔ جب تک ریاست مدینہ کی حدود تک محدود رہی اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ہی اس کام کو انجام دیا کرتے تھے، چنانچہ اس مقصد کے لئے آپؐ وقتاً فوقتاً بازار کا چکر لگاتے اور کوئی غلط کام دیکھتے تو فوراً متنبہ فرماتے اور اس کی اصلاح کرتے، چنانچہ مشہور واقعہ ہے جس کو امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی غرض سے بازار کا معائنہ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے، وہاں ایک صاحب گندم فروخت کر رہے تھے اور گندم کا ڈھیر سامنے لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گندم کے ڈھیر میں دست مبارک ڈالا تو نیچے سے گیلا گندم نکلا اور انگلیوں کو تری محسوس ہوئی، آپؐ نے فرمایا: گندم والے! یہ کیا؟ اُن صاحب نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بارش میں بھیگ گیا تھا، فرمایا: اس گیلے گندم کو اوپر کیوں نہیں رکھا؟ جواب دیا: یا رسول اللہ پھر کون خریدتا؟

آپؐ نے فرمایا ، نہیں ، ایسا نہیں کرنا چاہیئے ، یاد رکھو جو شخص اس طرح کی ہیرا پھیری یا دھوکا بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ۔ (صحیح مسلم، جلد دوم، ص ۱۰۹)

اس حدیث مبارک کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ غش (ہیرا پھیری، دھوکہ بازی، ملاوٹ) کے مفہوم میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں :۔

۱۔ سودا فروخت کرتے وقت اس کا عیب چھپانا ۔

۲۔ جو سودا دکھایا ہو وہ نہ دینا اور اس کے بجائے کوئی اور سودا دے دینا ۔

۳۔ ہوٹلوں کے کھانوں میں عام معیار سے کم درجہ کا سامان استعمال کرنا ۔

۴۔ کھوٹے سکے بنانا اور چلانے کی کوشش کرنا ۔

۵۔ عطریات میں ملاوٹ کرنا ۔

۶۔ کیمیاوی طریقوں سے مصنوعی سونا یا چاندی بنانا ۔

وغیرہ وغیرہ (الحسبۃ فی الاسلام، ص ۱۱، ۱۲)

ایک اور موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بازار تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا تو ایک صاحب کو کوئی چیز (کپڑا) تولتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا : اتزن وارجح اچھی طرح تولو اور جھکتا ہوا تولو۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات دوسرے صحابہ کرام کو بھی اس طرح کے کاموں کے لئے بازار بھیجتے رہتے تھے ۔ چنانچہ ایسے ہی ایک واقعہ کا التراتیب الاداریہ (جلد اول ص ۲۸۵) میں عبدالحی الکتانی نے ذکر کیا ہے ۔ اس طرح کے اور بھی سے واقعات کتب حدیث وسیرت میں بکھرے ہوئے ہیں ۔

بعد میں جب اسلامی ریاست مدینہ سے باہر بھی پھیل گئی تو اس کام کے لئے مستقلاً آدمی مقرر کر دیے گئے ۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مکہ مکرمہ میں حضرت سعید بن العاص کو محتسب مقرر کیا گیا ۔ (التراتیب الاداریہ، جلد اول، ص ۲۸۷)۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دو سالہ مختصر دور حکومت کا سارا زمانہ شدید ہنگامی حالات میں گزرا ، جنگوں ، بغاوتوں اور شورشوں کو ہی فرو کرنے میں سارا وقت صرف ہو گیا ، اس لئے

اُن کے دور کے نظام حسبہ کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ لیکن چونکہ وہ ہر معاملہ میں انتہائی کوشش کرتے تھے کہ ہر اُس نظم کو جوں کا توں باقی رہنے دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے چلا آ رہا ہو اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ عہد نبوی میں جو اصحاب محتسبین مقرر ہوئے تھے اور جو جو فرائض ان کے سپرد ہوئے تھے وہ عہد صدیقی میں بھی بجنسہ اور علیٰ حالہ باقی و قائم رہے ہوں گے۔

ہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ادارہ کو بہت ترقی دی اور جا بجا محتسبین مقرر فرمائے، دارالخلافہ میں خود آنجناب اس اہم فریضہ کو بنفس نفیس انجام دیتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (جن کی حیثیت عہد نبوی میں اسلامی ریاست کے انسپکٹر جنرل پولیس کی تھی) دور فاروقی میں ادارۂ احتساب (اور ادارۂ نظر فی المظالم) کا انسپکٹر جنرل مقرر کر دیا گیا۔ وہ مختلف علاقوں اور صوبوں کا دورہ کرتے رہتے تھے اور دوسرے علاقائی محتسبین کی نگرانی کے علاوہ خود بھی احتساب کا کام کرتے تھے۔ (ادارۂ مظالم کی ذمہ داریاں اس کے علاوہ تھیں، ادارۂ مظالم کی تفصیلات کے لئے دیکھئے الاحکام السلطانیہ، ماوردی اور ابو یعلیٰ)

عہد فاروقی میں احتسابی سرگرمیوں کی تفصیلات قلم بند کی جائیں تو ایک مستقل مقالہ بلکہ کتاب درکار ہوگی۔ مولٰینا شبلی نعمانی نے الفاروق میں، محمد حسین ہیکل نے الفاروق عمر میں، اور علی الطنطاوی نے اخبار عمر و عبداللہ بن عمر میں اس کی جستہ جستہ لیکن خاصی تفصیلات دے دی ہیں۔

عام اخلاق کی نگہداشت اور اسلامی اقدار کی ترویج کے لئے حضرت عمر نے بڑے سخت اقدامات کئے۔ مثلاً شاعروں پر سخت پابندیاں عاید کیں کہ وہ خواتین کے نام لے کر تشبیبی (غزلیہ) مضامین نظم نہ کریں، مشہور شاعر حطیئہ کو اس بات پر سزائے قید دی کہ وہ لوگوں کی ہجو کرنے میں بڑے مبالغہ سے کام لیتا تھا۔ ایک بار اُس نے مشہور عرب لیڈر زبرقان بن بدر کی ہجو لکھی۔ زبرقان نے حضرت عمر سے شکایت کی۔ چنانچہ مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ حطیئہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ شعر و شاعری نہایت لطیف و نازک مضمون ہے، اس کے اسالیب، اشارے کنایے اور استعارے سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اگرچہ حضرت عمر خود شعر و شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ لیکن حطیئہ کے اس موقف کو تسلیم کرتے ہوئے زیر بحث ہجریہ اشعار پر ماہرانہ رائے خود دینے کے بجائے عرب کے مسلم الثبوت شاعر (اشعر اہل المدر) حضرت حسان بن ثابت شاعر دربار رسالت کو بطور ماہر فن عدالت میں طلب

اور ان کی ماہرانہ رائے پر حطیئہ کے لئے سزائے قید کا حکم جاری کیا۔ (الفاروق مولانا شبلی، ص ۲۶۸، طبع لاہور ۱۹۵۶ء)

مدینہ کے دو مشہور حسین وجمیل نوجوانوں نصر بن الحجاج اور ابو ذئب کو آنجناب نے اس بنا پر مدینہ سے شہر بدر کر دیا کہ شہر کی بعض نوجوان خواتین میں اُن کے حسن وجمال اور مردانہ وجاہت کے چرچے ہونے لگے تھے اور خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ دونوں مل کر کوئی گل نہ کھلادیں۔ (الفاروق عمر ج ۲، ص ۲۶۸) ایک بار ایک شخص کو دیکھا کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت کر رہا ہے۔ آپ نے بطور محتسب اعلیٰ مدینہ فوراً کارروائی کی اور اس کا وہ سارا دودھ ضبط کر کے ضائع کر دیا۔ (الحسبتہ فی الاسلام۔ ص ۴۳)۔ ایک بار ایک شخص نے آپ کی سرکاری مہر کا جعلی مثنیٰ تیار کیا اور اس کی مدد سے فرضی حکم لکھ کر بیت المال سے کچھ رقم لے لی۔ آپ نے مسلسل تین روز تک اس شخص کو سو سو کوڑے لگوائے۔ (الحسبتہ فی الاسلام، ص ۳۹) اسی طرح صبیغ بن عسل نے جب دین میں بعض بدعات نکالنی چاہیں تو آپ نے اس کو خود اتنا مارا کہ اتنا مارنے کی عادت مبارکہ نہ تھی۔ (الحسبتہ فی الاسلام، ص ۳۹)

لیکن ان سب اقدامات کے باوجود آنجناب نے محسوس فرمایا کہ دوسری بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے آپ خود اس کام پر شاید پوری توجہ نہیں پائیں گے۔ اس لئے آپ نے مدینہ میں بھی باقاعدہ محتسبین مقرر کر دیئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الہذلی کو مدینہ (اور علیٰ ہذا پوری اسلامی ریاست) کا محتسب اعلیٰ اور حضرت سائب بن یزید کو نائب محتسب اعلیٰ مقرر فرمایا۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر ج ۲، ص ۷۶، ۵، کنز العمال ج ۳، ص ۱۷۶)

بہر حال یہ چند مختصر اشارات ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دور نبوی و دور صحابہ میں نظام احتساب کی خصوصیات کیا تھیں اور اس کا کیا مزاج تھا۔ بعد کے ادوار میں نظام احتساب کا کیا طریقہ کار رہا اور کیا کارکردگی رہی یہ ایک جداگانہ مقالہ کا موضوع ہے۔ القلقشندی نے اپنی موسوعاتی تصنیف صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء میں اس موضوع پر خاصی دلچسپ معلومات دی ہیں ایک معاصر سعودی مؤلف نے اپنی کتاب نظام الحسبتہ فی الاسلام (طبع ریاض، بغیر تاریخ) کے صفحات ۲۹۔۵۲ میں حسبہ کی تاریخ پر بڑی مفید معلومات دی ہیں اور دکھایا ہے کہ مختلف اسلامی حکومتوں

میں یہ نظام کیونکر کام کرتا تھا۔ انہوں نے حکام کی طرف سے محتسبین کو دی جانے والی بعض ہدایات اور یادداشتیں بھی درج کی ہیں، لیکن یہ یادداشتیں اکثر و بیشتر صبح الاعشیٰ سے ماخوذ ہیں۔ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تاریخ اسلام کے اُن نمایاں فقہاء و صلحاء کا ذکر بھی اشارۃً کر دیا جائے جنہوں نے مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں احتساب کی ذمہ داری سنبھالی۔ ان ناموں میں سے تقریباً نصف نام سعودی مؤلف کی مذکورہ کتاب سے ماخوذ ہیں۔

١۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	مدینہ منورہ	عہد نبوی
٢۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	مکہ مکرمہ	"
٣۔ حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود	مدینہ منورہ	عہد فاروقی
٤۔ حضرت سائب بن یزید	"	"
٥۔ امام نافع بن عبدالرحمٰن امام تجوید و قرأت	بغداد	عہد عباسی (خلیفہ ہادی کے دور میں)
٦۔ قاضی عبدالجبار	"	" (خلیفہ مہدی کے دور میں)
٧۔ قاضی ابراہیم بن محمد بن علی بن بطحا التمیمی	"	" (قاہر باللہ کے دور میں)
٨۔ ابو سعید الاصطخری	"	"
٩۔ ابو جعفر بن الخرقی	"	" (مقتدی بامراللہ کے دور میں)
١٠۔ قاضی ابوالقاسم الزینبی	"	" (مسترشد باللہ کے دور میں)
١١۔ قاضی محی الدین محمد بن فضلان	"	" (ناصر الدین اللہ کے دور میں)
١٢۔ قاضی ضیاء الدین سنامی مؤلف کتاب نصاب الاحتساب	دہلی	عہد تغلق
١٣۔ میرزاہد ہروی	"	عہد اورنگ زیب

برصغیر پاک و ہند میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے بعد احتساب کا نظام باقاعدہ طور پر قائم نہیں رہ سکا۔ مولانا سید احمد بریلوی نے البتہ جب سرحد کے بعض علاقوں میں اسلامی ریاست کا احیاء کیا تو محتسبین جابجا مقرر کیے تھے۔ پاکستان کے بعض سابقہ مجوزہ دساتیر میں بھی ایک ایسے ادارہ کے قیام کی گنجائش رکھی گئی تھی جس کا بنیادی کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے

فریضہ کی انجام دہی تھا۔ لیکن یہ دستوری مسودات پایۂ تکمیل تک پہنچ کر نافذ ہی نہ ہوسکے کہ ان پر عمل درآمد کی نوبت آتی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ادارہ قائم ہو سکتا۔ چنانچہ ۲۲ ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں اس وقت کے وزیر اعظم الحاج خواجہ ناظم الدین مرحوم نے جو دستوری مسودہ پیش کیا تھا (جو بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ کی صورت میں پیش کیا گیا تھا) اس کی دفعہ دو کی شق تین میں کہا گیا تھا کہ ایک تنظیم قائم کی جائے گی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے گی۔ ایسی ہی ایک دفعہ ۱۹۵۴ء کے دستوری مسودہ میں بھی رکھی گئی تھی۔ یہ مسودہ اس وقت کے وزیر اعظم محمد علی بوگرہ مرحوم کے دورِ وزارتِ عظمیٰ میں دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا اور اس وقت کے وزیر قانون جناب اے کے بروہی نے اس کو پیش کیا تھا۔ اس مسودہ کی متعلقہ دفعہ (دفعہ ۱۱) میں مذکورہ شق کے بعد ایک اور شق کا اضافہ بھی کیا گیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ اس ادارہ کو چلانے کے لئے ایک خصوصی ٹیکس عاید کیا جائے گا جس کی آمدنی سے اس ادارہ کے تمام مصارف پورے کئے جائیں گے۔ لیکن آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

احتساب اور عدلیہ

احتساب اور حسبہ کا ادارہ ہمیشہ ہی ایک عدالتی یا نیم عدالتی ادارہ سمجھا گیا۔ صدر اسلام میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین خود براہ راست عدالت اپیل کے فرائض انجام دیتے تھے تو حسبہ کی اعلیٰ ترین عدالت یعنی محتسب اعلیٰ کے ذمہ داریاں بھی اکثر و بیشتر خود ہی انجام دیتے تھے لیکن جوں جوں اسلامی ریاست کی حدود پھیلتی گئیں، حکومت کے کام میں بھی وسعت پیدا ہوتی گئی اور سارے شعبے الگ الگ ہوتے گئے۔ پہلی صدی ہجری کے اواخر تک حسبہ کا باقاعدہ اور مستقل بالذات ادارہ وجود میں آ چکا تھا اور مجموعی نظام عدل کا ایک حصہ بن چکا تھا۔

اسلام کے دستوری اور عدالتی قانون پر لکھنے والے متعدد کلاسیکی مؤلفین (مثلاً ماوردی، ابو یعلی، ابن قیم، ابن خلدون وغیرہ) نے حسبہ پہ ایک عدالتی یا نیم عدالتی ادارہ ہی کی حیثیت سے بحث کی ہے۔ احتساب اور عدلیہ کا تعلق بیان کرتے ہوئے قاضی ماوردی لکھتے ہیں :۔

جاننا چاہیئے کہ احتساب کا ادارہ (اپنے کام اور دائرہ اختیار کی حیثیت سے) ادارۂ قضا اور ادارہ مظالم کے درمیان ایک بین بین حیثیت رکھتا ہے۔ احتساب اور قضا دو پہلوؤں میں بالکل ایک ہیں۔ دو پہلوؤں میں احتساب کی حیثیت قضاء سے کم اور دو پہلوؤں میں زیادہ ہے۔ جن دو پہلوؤں میں یہ دونوں ادارے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ جس طرح عدالت میں مظلوم شخص اپنی فریاد لے کر جا سکتا ہے اسی طرح محتسب کے ہاں بھی جا سکتا ہے اور محتسب کی عدالت بھی ظالم کے خلاف مظلوم کی فریاد سنتی ہے۔ لیکن یہاں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ عام عدالتوں کے برعکس محتسب کی عدالت میں صرف تین قسم کے دعوے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ایک تو وہ دعوے جو ناپ تول میں کمی بیشی سے متعلق ہوں۔ دوسرے وہ دعوے جو خرید و فروخت میں دھوکہ، ملاوٹ یا ہیر پھیر (غش و تدلیس) سے متعلق ہوں تیسرے وہ جو قرض یا واجب الادا رقم کی ادائیگی پر قدرت کے باوجود اس میں ٹال مٹول سے متعلق ہوں۔ محتسب کے دائرۂ کار کو ان تین نوعیت کے مقدمات میں محدود کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق واضح طور پر منکر سے ہے اور جس شخص کے خلاف بھی اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا جائے گا اور اس دعویٰ میں جان بھی ہوگی تو اول وہلہ میں PRIMAFACIE یہی سمجھا جائے گا کہ مدعا علیہ منکر کا ارتکاب کر رہا ہے۔ پس چونکہ ادارۂ احتساب کا بنیادی کام ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے اس لئے اس کا دائرۂ اختیار سماعت اُن مقدمات تک محدود ہے جو واضح طور پر اس کام کے ضمن میں آتے ہیں۔

۲۔ جس طرح کوئی بھی عدالت مدعا علیہ کو طلب کر سکتی ہے اسی طرح محتسب کی عدالت بھی اپنے دائرۂ اختیار کے اندر سُنے جانے والے مقدمات میں مدعا علیہ کو طلب کر سکتی ہے۔

جن دو پہلوؤں میں ادارۂ احتساب کی حیثیت ادارۂ قضاء سے کم ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ محتسب کی عدالت کوئی ایسا مقدمہ نہیں سن سکتی جس کا تعلق کھلے کھلے منکر سے نہ ہو، لہٰذا عام دیوانی مقدمات، عائلی معاملات وغیرہ محتسب کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں اور محتسب ان میں سے کسی دعویٰ یا مقدمہ کی سماعت نہیں کر سکتا۔

۲۔ محتسب صرف ان معاملات کو دیکھ سکتا ہے جن میں مدعا علیہ یا مطلوبہ شخص یا منکر کا ارتکاب

کرنے والا ملزم اپنی غلطی یا جرم کا اعتراف واقرار کر رہا ہو۔ اس کے برعکس اگر وہ شخص اس الزام سے انکار کر رہا ہے۔ تو پھر محتسب کو یہ حق نہیں کہ اس پر باقاعدہ مقدمہ چلائے، مقدمہ کی سماعت کرے، پیشیاں لگوائے اور گواہان اور دیگر ثبوت طلب کرے۔ یہ سب کرنے کا اختیار صرف قاضی کو ہے۔ لہذا اگر کوئی ملزم محتسب کی عدالت میں آکر صحت الزام سے انکار کرے تو پھر یہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا جائے گا اور وہاں اس پر باقاعدہ کارروائی اور سماعت ہوگی اور وہیں اس کا فیصلہ ہوگا۔

جن دو پہلوؤں سے ادارۂ احتساب کی حیثیت ادارۂ قضاء سے زیادہ ہے وہ یہ ہیں :۔

۱۔ قاضی کے برعکس محتسب کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لئے از خود بھی حالات کا جائزہ لیتا رہے۔ اگر اس کے پاس فریق فریاد لے کر نہ بھی آئے تو بھی محتسب از خود کارروائی کر کے زیادتی کرنے والے فریق کے خلاف مقدمہ قائم کر کے اس کو سزا دے سکتا ہے۔ اس کے برعکس قاضی کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں، وہ صرف ان مقدمات کی سماعت کر سکتا ہے جن کے متعلق اس کی عدالت میں باقاعدہ دعویٰ دائر کیا گیا ہو۔

۲۔ قاضی کے برعکس محتسب اپنے اختیارات اور قوت کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ چونکہ اس کا بنیادی کام اخلاق عامہ کی نگہداشت اور اسلامی اقدار کی ترویج ہے اس لئے وہ ان لوگوں کو مرعوب کرنے اور بزور روک دینے کے لئے قوت کا استعمال کر سکتا ہے جو اسلامی اخلاق و اقدار کی خلاف ورزی کر رہے ہوں۔ اس کے برعکس قاضی ایسا نہیں کر سکتا۔

احتساب اور ادارۂ مظالم

اس طرح ادارۂ احتساب اور ادارۂ مظالم میں بھی دو پہلوؤں سے مشابہت اور دو پہلوؤں سے فرق موجود ہے۔ مشابہت قوت و اقتدار کے رعب اور مظاہرہ اور کھلم کھلا ظلم و عدوان کے معاملات کی سماعت سے ہے۔ جن دو پہلوؤں سے فرق ہے ان میں ایک فرق تو یہ ہے کہ ادارۂ مظالم ان مقدمات و معاملات کی سماعت کرتا ہے جن کو نمٹانے سے قاضی اپنے کو عاجز اور کمزور محسوس کرتا ہو، جبکہ ادارۂ احتساب ان معاملات کو دیکھتا ہے جو بہت چھوٹے چھوٹے ہوں

اور قاضی کی عدالت میں ان کا پیش کرنا مناسب نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ادارۂ مظالم کی حیثیت اور درجہ قاضی سے برتر ہے جبکہ ادارۂ احتساب کی حیثیت قاضی سے فروتر ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ادارۂ مظالم ایک برتر ادارہ ہونے کی حیثیت سے قاضی اور محتسب دونوں کا نگراں ہے اور دونوں سے باز پرس کر سکتا ہے، قاضی صرف محتسب کی نگرانی اور باز پرس کر سکتا ہے، جب کہ محتسب کو ان دونوں میں سے کسی کی نگرانی اور باز پرس کرنے کا اختیار نہیں مزید برآں ادارۂ مظالم کے سربراہ کو فیصلے دینے اور مقدمات سننے کا پورا اختیار حاصل ہے جبکہ محتسب کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں (الاحکام السلطانیہ، ماوردی، طبع قاہرہ ۱۹۶۶ء ص ۲۴۱-۲۴۳، نیز الاحکام السلطانیہ، ابویعلی، ص ۲۸۵-۲۸۷)

یہ ہے اس باہمی تعلق کی نوعیت جو عام عدالتوں اور محتسبین کی عدالتوں کے درمیان پایا جاتا تھا۔ ان دونوں میں اس اعتبار سے تو مماثلت تھی کہ دونوں ملزموں کے معاملات کو دیکھتے تھے اور مجرم فریق کو سزا دیتے تھے لیکن محتسب کے دائرۂ کار میں آنے والے معاملات محدود اور مخصوص نوعیت کے تھے، جبکہ عام عدالتوں کا دائرۂ کار بہت وسیع تھا۔ اس طرح محتسب کے دائرۂ کار میں آنے والے معاملات محدود اور مخصوص نوعیت کے تھے، جبکہ عام عدالتوں کا دائرۂ کار بہت وسیع تھا۔ اس طرح محتسب کو زیادہ بڑی سزائیں دینے کا اختیار نہ تھا، مثال کے طور پر حدود و قصاص سے متعلق سزائیں دینا اور مقدمات کی سماعت کرنا محتسب کے اختیار سے باہر تھا۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں، فان المحتسب لیس له القتل والقطع (الحسبة فی الاسلام، ص ۴۰) یعنی سزائے موت اور قطع ید کی سزا دینا محتسب کے اختیار میں نہیں ہے

اس طرح عام دیوانی معاملات بھی محتسب کے ہاں نہیں لائے جا سکتے تھے۔ محتسب کے اختیار میں صرف وہ معاملات تھے جو کھلم کھلا منکر کی تعریف میں آتے ہوں یا جن میں کھلم کھلا کسی معروف کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو۔ محتسب اور قاضی میں ایک اور فرق یہ بھی تھا کہ قاضی صرف ان معاملات کو سن سکتا تھا جن میں کسی خاص شخص یا اشخاص کے حقوق مجروح ہوئے ہوں اور جن کی بازیابی کا دعویٰ کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس محتسب ہر ایسے معاملہ کو دیکھ سکتا تھا جو اس کے دائرۂ کار میں آتا ہو چاہے اس میں کسی خاص شخص کے حقوق مجروح ہوئے ہوں یا نہ ہوئے

ہوں۔ چاہے اس کی عدالت میں ان کی بابت دعویٰ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ ایک اور فرق یہ بھی تھا کہ عام عدالتوں میں دائر کئے جانے والے دعاوی کے لئے ضروری ہے کہ دعویٰ کرنے والا متعین شخص ہو اور جس کے خلاف دعویٰ کیا جائے وہ بھی متعین شخص ہو اور دونوں امر زیر بحث سے متعلق بھی ہوں جبکہ احتساب کے دعاوی میں مدعی کا متعلق فریق ہونا اور مدعا علیہ کا متعین ہونا ضروری نہیں۔ ایک اور فرق قاضی اور محتسب کے اختیارات کے بارے میں یہ تھا کہ قاضی اپنی ذاتی معلومات کی بنیاد پر کسی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا جبکہ محتسب کو یہ اختیار حاصل تھا کہ جوں ہی اس کے علم میں یہ بات آئے کہ کوئی شخص کسی برائی کا ارتکاب کر رہا ہے وہ اس کے خلاف فوری کارروائی کرے۔

محتسب کی صفات و شرائط

چونکہ احتساب کا ادارہ ایک نیم عدالتی نیم انتظامی اور نیم پولیس کا ادارہ ہے اس لئے ایک محتسب کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ اُس میں کسی نہ کسی حد تک وہ ساری صفات موجود ہوں جو ایک عدالت کے قاضی، ایک اعلیٰ انتظامی عہدے دار اور ایک ذمہ دار پولیس افسر میں ہونی چاہئیں۔ اس سلسلہ میں فقہائے کرام نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر کچھ صفات و شرائط تجویز کی ہیں۔ ان میں سے بعض صفات وہ ہیں جو ضروری شرائط کی حیثیت رکھتی ہیں جن کو ہم قانونی شرائط کہہ سکتے ہیں اور جن کے بغیر بطور محتسب کسی شخص کا تقرر صحیح نہ ہوگا۔ یہ شرائط ابن الاخوہ کی رائے میں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محتسب مسلمان ہو ۲۔ محتسب بالغ ہو

۳۔ محتسب شریعت کا ضروری علم رکھتا ہو

یہ شرائط تو لازماً متعلقہ شخص میں پائی جانی چاہئیں۔ ان کے علاوہ تین صفات ہیں جن کا پایا جانا بہتر اور مناسب ہے :۔

۱۔ باکردار ہو ۲۔ صائب الرائے ہو

۳۔ حالاتِ حاضرہ سے واقف ہو۔

یہ سب شرائط ابن الاخوۃ نے اپنی کتاب: معالم القربہ فی احکام الحسبہ (ص ۷۔۱۰) میں بیان کی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ماوردی نے یہ صفات بیان کی ہیں:

۱۔ آزاد ہو

۲۔ عدل ہو (یعنی فاسق اور بدکار نہ ہو)

۳۔ صاحب رائے ہو

۴۔ بہادر ہو

۵۔ دین کے معاملہ میں سخت ہو

۶۔ معاشرہ میں موجود منکرات کا اس کو علم ہو

کم وبیش یہی صفات ابو یعلیٰ نے ضروری قرار دی ہیں، لیکن اس کے ہاں آزاد (حرّاً) کے بجائے باخبر (خبیراً) کا لفظ آیا ہے۔ ممکن ہے یہ کاتبوں یا نقل نویسوں کی غلطی ہو (مقابلہ کیجئے: ماوردی، ص ۲۴۱، ابو یعلیٰ ص ۲۸۵) یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ کسی نے محتسب کے لئے مجتہد ہونا ضروری قرار نہیں دیا۔ بعض اصحاب کی رائے میں محتسب کا مرد ہونا البتہ ضروری ہے۔ لیکن غالباً کم ازکم، احناف کے ہاں محتسب کا مرد ہونا ضروری نہ ہوگا، اس لئے کہ حدود و قصاص کے علاوہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت ہر معاملہ میں قاضی بن کر مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کا اعلان کرسکتی ہے، تو ظاہر ہے کہ احتساب تو ایک نیم عدالتی منصب ہے اور عدالت کے ماتحت ہے۔ اس میں عورت کا محتسب ہونا اُن کے ہاں کیونکر ناجائز ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سمراء بنتِ نہیک الاسدیہ نامی ایک خاتون یہ فریضہ انجام دیتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی شفاء انصاریہ نامی خاتون کو مدینہ کے ایک بازار کا محتسب مقرّر کیا تھا (التراتیب الاداریہ ج ۱ ص ۲۸۵۔ ۲۸۶) لیکن مشہور مالکی فقیہ قاضی ابوبکر بن العربی نے اس روایت کی بڑی سختی سے تردید کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ بالکل غلط اور من گھڑت بات ہے۔ (احکام القرآن ابن العربی، جلد سوم، ص ۱۴۴۶، نیز قرطبی: الجامع لاحکام القرآن، جلد ۱۳ ص ۱۸۳)

محتسب کا کام اور ذمہ داریاں

اوپر تفصیل سے یہ بات آچکی ہے کہ ادارۂ احتساب کے قیام کا بنیادی مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اس کام کو کیسے منظم کرنا چاہیئے۔ اور اس کے لئے کیا کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔ اس پر ماوردی اور ابویعلی نے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ان اصحاب کے خیال میں اس اہم کام کے دو بنیادی جزو ہیں :-

۱۔ امر بالمعروف

۲۔ نہی عن المنکر

پہلے جزو یعنی امر بالمعروف کے آگے پھر تین پہلو ہیں :-

ا ۔ اچھائی کا حکم ان معاملات میں جن کا تعلق خالصتہً حقوق اللہ سے ہے۔

ب ۔ اچھائی کا حکم ان معاملات میں جن کا تعلق خالصتہً حقوق العباد سے ہے۔

ج ۔ اچھائی کا حکم ان معاملات میں جن میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پہلو موجود ہیں۔

اب وہ معاملات جن کا تعلق خالصتہً حقوق اللہ سے ہے اس اعتبار سے پھر دو قسم کے ہیں کہ ان میں اچھائی کا حکم فرد کو دیا جائے گا یا پورے معاشرہ کو۔ یہی دو قسمیں ان معاملات میں بھی ہو سکتی ہیں جن کا تعلق خالصتہً حقوق العباد سے ہے۔ ان امور سے متعلق وہ معاملات و مسائل جو ادارۂ احتساب کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں (ماوردی اور ابویعلی کے مطابق) حسب ذیل ہو سکتے ہیں :

۱۔ کسی علاقہ کے لوگوں کا نمازِ جمعہ کی فرضیت کے باوجود نمازِ جمعہ کو چھوڑ دینا۔ اس معاملہ میں محتسب کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اس علاقہ کے لوگوں کو بالجبر جمعہ کی نماز قائم کرنے پر مجبور کرے۔ لیکن اگر معاملہ اجتہادی نوعیت کا ہو اور اس علاقہ کے لوگ کسی اجتہادی دلیل کی بنیاد پر نماز جمعہ قائم کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کریں تو محتسب اُن کو اپنی اجتہادی رائے پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ اختیار صرف قاضی کو حاصل ہے کہ وہ اجتہادی مسائل میں رائے دے سکتا ہے اور اس کی اجتہادی رائے فریق کے لئے واجب العمل ہوتی ہے۔ محتسب کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہیں

۲۔ کسی بستی کے مسلمانوں کا نماز عید کو چھوڑ دینا ، یا اذان یا نماز با جماعت کو اجتماعی طور پر چھوڑ دینا۔

۳۔ اجتماعی مفاد کی کوئی چیز منہدم ہو جائے تو محتسب مقامی لوگوں کو اس کی مرمت کرنے پر مجبور کر سکتا ہے، مثلاً علاقہ کی مسجد ویران ہو جائے اور کوئی شخص اس کی تعمیرِ نو پر توجہ نہ دے تو قریب ترین لوگوں میں جو بھی اس کی اصلاح و مرمت کے اخراجات برداشت کرنے کے اہل ہیں اُن کو ایسا کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ بیت المال میں ان اخراجات کو برداشت کرنے کی گنجائش نہ ہو

۴۔ کوئی شخص کسی کی واجب الادا رقم لے اُڑے اور بار بار کے تقاضوں کے باوجود ادا نہ کرے۔

۵۔ غیر شادی شدہ لڑکیاں اگر یہ شکایت کریں کہ اُن کے ولی (باپ بھائی وغیرہ) کسی وجہ سے اُن کی شادی نہیں کر رہے اور وہ محتسب سے مداخلت کرنے کی درخواست کریں، تو محتسب مداخلت کر سکتا ہے۔

محتسب اُن کے ولی کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ایسی لڑکیوں کو فوراً مناسب جگہ شادیاں کر دیں۔

۶۔ کوئی آقا کسی ملازم یا مزدور پر سختی کر رہا ہو تو محتسب مداخلت کر سکتا ہے۔

۷۔ بار برداری کے جانوروں کو اگر ضرورت سے کم چارہ دیا جائے یا اُن پر اُن کی طاقت سے بڑھ کر سامان لادا جائے تو محتسب اُن کے مالکوں کو ایسا کرنے سے روک سکتا ہے (ماوردی ص ۲۴۳، ۲۴۴، ابو یعلیٰ، ص ۲۸۷ - ۲۹۱)

دوسرا شعبہ نہی عن المنکر کا ہے، اس کی بھی وہی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یعنی اُن معاملات میں نہی عن المنکر جو خالصتہً حقوق اللہ سے متعلق ہیں پھر تین شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ وہ معاملات جن کا تعلق عبادات سے ہے۔

۲۔ وہ معاملات جن کا تعلق شریعت سے ہے۔

۳۔ وہ معاملات جن کا تعلق لوگوں کے آپس کے تعلقات سے ہے۔

ان معاملات سے متعلق وہ امور و مسائل جو محتسب کے دائرۂ اختیار میں آ سکتے ہیں، بطورِ مثال یہ ہیں

۱۔ عبادت سے متعلق شریعت کے مقرر کردہ طریقہ کے خلاف کام کرنا، مثلاً جہری نمازوں میں آہستہ تلاوت کرنا، یا سرّی نمازوں میں باآوازِ بلند تلاوت کرنا، نمازوں میں اضافہ کرنا، یا اذان کے الفاظ میں کچھ بڑھا دینا۔ اس طرح کے تمام معاملات میں محتسب از خود اقدام کر کے

ایسی حرکت کرنے والے کو مناسب تنبیہ یا سزا دے سکتا ہے۔

۲۔ رمضان میں بلا وجہ برسرِ عام کھانا پینا۔

۳۔ کسی جاہل شخص کا اپنے کو بطور عالمِ دین متعارف کرانا اور دینی معاملات میں درس و تدریس، افتاء وغیرہ کا کام کرنے لگنا۔

۴۔ غیر مرد و عورت کا بلا وجہ آپس میں علیحدگی میں ملاقاتیں کرنا۔

۵۔ کاروبار میں ملاوٹ، ہیرا پھیری اور دھوکہ دہی۔

۶۔ ناپ تول میں کمی۔

۷۔ جاہل طبیب کا طبیب بن کر بیٹھنا

۸۔ دوسرے کے گھر میں بلا وجہ کھڑکیاں نکالنا (بشرطیکہ فریق متضرر دعوی دائر کرے)

۹۔ ملازم سے زیادہ کام لینا

۱۰۔ کرایہ کی سواریوں میں زیادہ مسافر بٹھانا۔

۱۱۔ کہانت، نجومی، پیشین گوئیوں کا کاروبار کرنا (ماوردی، ص ۲۴۷- ۲۵۹، ابو یعلی ص ۲۹۲ - ۳۰۸) کم و بیش اس طرح کے معاملات کا ابن تیمیہؒ نے بھی ذکر کیا ہے (الحسبۃ فی الاسلام، ص ۱۲، ۱۳، ۱۰، ۹)

لیکن یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ محتسب صرف اُن منکرات کے خلاف اقدام کر سکتا ہے جو کھلے اور ظاہر ہوں۔ محتسب کو صرف شبہ کی بنیاد پر کسی کے خلاف کارروائی کرنے یا کھوج لگا کر جرائم کا پتہ لگانے کی اجازت نہیں۔ لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ کچھ لوگ جُرم کرنے پر تلے بیٹھے ہوں اور محتسب کے پاس یہ باور کرنے کے خاصے مضبوط وجوہ موجود ہوں کہ فلاں شخص یا اشخاص جُرم کریں گے تو وہ اقدام کرکے کھوج لگا سکتا ہے اور مجرمین کو جُرم کرنے سے روک سکتا ہے۔

تجسس کی ممانعت کے لیے جہاں قرآن مجید میں ایک عام حکم ہے ولا تجسسوا (اور کھوج نہ لگایا کرو) وہاں اس مضمون کی متعدد احادیث بھی موجود ہیں کہ کسی کی پوشیدہ باتوں کا کھوج نہیں لگانا چاہیئے۔ خلفائے راشدین کی سیرت میں بھی اس نوعیت کے متعدد واقعات ملتے ہیں کہ انھوں

نے چھپ کر جرم کرنے والوں سے درگذر فرمایا اور اُن کی پردہ پوشی کی۔ ایک روز رات کے وقت حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ منورہ میں گشت کر رہے تھے کہ ایک جگہ کسی گھر سے روشنی آتی ہوئی نظر آئی۔ یہ دونوں بزرگ اس کے قریب پہنچے۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ اندر سے اونچی آوازیں آ رہی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: معلوم ہے کس کا گھر ہے؟ عبدالرحمٰن بن عوف بولے: نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ربیعہ بن امیہ بن خلف کا، یہ لوگ اس وقت غالباً پینے پلانے کا شغل کر رہے ہیں، کہو کیا رائے ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں: میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تجسس کرنے سے منع کیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ حضرت عبدالرحمٰن کے ہمراہ واپس تشریف لے آئے اور ان لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا۔ (احیاء العلوم از امام غزالی، جلد دوم، ص ۱۹۸)

محتسب اور احتساب کے بارے میں جن اصحاب (مثلاً ابن الاخوہ اور شیرزی وغیرہ) نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ انھوں نے محتسب کے فرائض پر زیادہ تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ذیل میں ہم آٹھویں صدی ہجری میں احتساب کے دائرہ اختیار اور طریقۂ کار کے بارے میں شافعی فقیہ محمد ابن الاخوہ کی کتاب معالم القربۃ فی احکام الحسبہ کے بعض مباحث کا تعارف کراتے ہیں جن سے اس ادارہ کے دائرۂ عمل کی وسعت کا اندازہ ہوگا۔ مصنف نے اپنے زمانہ کے تمام پیشوں، اداروں اور طبقوں کا تفصیل سے ذکر کرکے بتایا ہے کہ محتسب کس معاملہ میں کس طرح احتساب کی ذمہ داریاں انجام دے سکتا ہے۔ مصنف نے ان طبقوں میں کی جانے والی غلطیوں اور دھاندلیوں کا تفصیل سے جائزہ لے کر محتسب کی رہنمائی کے لیے ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے (یہ کتاب مستشرق روبن لیوی نے تحقیق و تصحیح کرکے ۱۹۳۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے شائع کی تھی۔ عربی متن کے ساتھ اس کی انگریزی تلخیص بھی دے دی گئی ہے) کتاب ستر ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے دو ابواب میں احتساب کی شرائط، محتسب کے فرائض اور اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان دونوں ابواب میں اکثر و بیشتر وہی مباحث ہیں جو ماوردی اور ابو یعلیٰ نے اپنی اپنی الاحکام السلطانیہ میں دیئے ہیں اور جن کی تلخیص اوپر دی جا چکی ہے۔ بقیہ ابواب میں سے اہم ابواب یہ ہیں:

۳۔ شراب اور آلات لہو و لعب کے بارے میں احتساب

۴۔ اہل ذمہ کا احتساب

۵۔ جنازہ اور میت کے بارے میں احتساب

۶۔ منکر معاملات اور ناجائز خرید و فروخت کے بارے میں احتساب

۷۔ مردوں کے لئے جو چیزیں حرام ہیں اور جو چیزیں جائز ہیں

۸۔ بازاروں میں پائی جانے والی عام برائیاں

۹۔ اوزان، سکوں اور پیمانوں کی جان پہچان اور جانچ پڑتال

۱۰۔ سبزی فروش اور چارہ فروش

۱۱۔ آٹا پیسنے والے

۱۲۔ نان بائی

۱۳۔ کباب فروش

۱۴۔ گوشت بنانے اور فروخت کرنے والے، گوشت بنانے والے

۱۵۔ پکی پکائی اشیاء فروخت کرنے والے، حلوائی، مشروبات فروش

۱۶۔ خوشبویات اور عطریات فروخت کرنے والے

۱۷۔ دودھ والے

۱۸۔ کپڑے والے

۱۹۔ دلال

۲۰۔ کپڑے بننے والے، درزی، ٹوپیاں بنانے والے، رفوگر

۲۱۔ رنگریز، ریشم ساز،

۲۲۔ نداف اور دھنیئے

۲۳۔ صرّاف

۲۴۔ ٹھٹھیرے، لوہار

۲۵۔ موچی

۲۶۔ دوا فروش

۲۷۔ نخاس، جانور فروش

۲۸۔ عام حمام

۲۹۔ جرّاح اور فصد کھولنے والے

۳۰۔ اطباء، ماہرین امراض چشم، اور مرہم پٹی کرنے والے

۳۱۔ اسکول ٹیچر

۳۲۔ مؤذنین

۳۳۔ واعظین

۳۴۔ نجومی

۳۵۔ حدود و تعزیرات نافذ کرنے والے، جلّاد

۳۶۔ گواہ، قاضی، سرکاری افسران حکام

۳۷۔ خود محتسبین

۳۸۔ کشتیوں اور کرایہ کی سواریوں والے

۳۹۔ بڑھئی اور نجار

۴۰۔ متفرقات

مصنف نے ان سب پیشوں کی کارکرگی کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ بتایا ہے کہ یہ حضرات کیا کیا کرتے ہیں اور کن کن پہلوؤں سے گڑبڑ اور ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ اس لئے یہ کتاب ایک محتسب کے لئے عملی راہنما کتاب کی حیثیت رکھتی تھی اور غالباً اسی حیثیت سے لکھی بھی گئی تھی۔ اس میں حسبہ اور احتساب سے متعلق فقہی مباحث زیادہ نہیں ہیں۔ بلکہ عملی ہدایات زیادہ ہیں جو مصنف نے غالباً اپنے وسیع تجربہ اور انتظامی مہارت کی روشنی میں دی ہیں۔

کم و بیش یہی انداز ایک نسبتہً قدیم تر مصنف امام عبدالرحمٰن بن نصر بن عبداللہ بن محمد الشیرزی الشافعی (متوفی ۵۸۹ھ) کی کتاب نہایۃ الرتبہ فی احکام الحسبۃ کا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۶ء میں قاہرہ سے شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب چالیس ابواب پر مشتمل ہے اور قریب قریب وہی سب مباحث اس میں بھی ہیں جو ابن الاخوہ کے ہاں ملتے ہیں۔ لیکن اس کا انداز ابن الاخوہ کی بہ نسبت زیادہ فقہی ہے۔

عصر حاضر میں احتساب

ہمارے کلاسیکی ادوار میں جو معاملات ادارۂ احتساب کے زیرِ نگرانی تھے ان میں سے اب بہت سے اداروں کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔ آج احتساب کے نام سے کوئی باقاعدہ ادارہ ہماری معلومات کی حد تک کسی اسلامی ملک میں موجود نہیں ہے۔ سعودی عرب میں ہیئۃ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر کے نام سے ایک موثر ادارہ سعودی دورِ حکومت کے آغاز میں قائم کیا گیا تھا۔ لیکن اس کا دائرہ کار بہت محدود تھا اور صرف دینی فرائض کی پابندی کرانے تک محدود تھا۔ لیکن اب گذشتہ پندرہ بیس سالوں سے اس کے اثرات اور سرگرمیوں میں بھی نمایاں کمی محسوس ہوتی ہے۔ شنید ہے کہ ایران کی حالیہ اسلامی حکومت نے بھی احتساب کے ادارہ کو منظم کیا ہے، لیکن اس کے بارے میں کوئی تحریری مواد موجود نہیں اس لئے اس کے بارے میں کوئی رائے دینا مشکل ہے۔

پاکستان میں مجلس شوریٰ نے ایک قانونی مسودہ بعنوان "محتسبِ اعلیٰ آرڈیننس" کی منظوری دی تھی اور صدرِ پاکستان کے دستخط کے لئے اس کو پیش کر دیا تھا۔ لیکن یہ مسودہ بھی ادارۂ احتساب کے مذکورہ بالا نمونہ کے بجائے سویڈن کے امبڈسمین (OMBUDSMANN) فرانس کی انتظامی عدالتوں اور برطانیہ کے پارلیمانی کمیشن کے نمونہ پر تھا۔ اس آرڈیننس کے مسودہ کی رو سے محتسبِ اعلیٰ کو جو فرائض سپرد کئے جانے تھے وہ کس حد تک وہ تھے جو اسلام کے کلاسیکی ادوار میں والی مظالم کو حاصل ہوتے تھے۔ احتساب کے بنیادی کام یعنی اسلامی اخلاقیات کی نگہداشت اور اسلامی اقدار کی ترویج امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اس آرڈیننس میں کوئی تذکرہ نہ تھا۔

اگر پاکستان میں اسلامی روایات کے مطابق احتساب کا ادارہ قائم کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چاروں صوبوں میں ہائی کورٹوں کی نگرانی میں چار محتسبِ اعلیٰ مقرر کئے جائیں جن کو ہائی کورٹوں کی سفارش پر صدرِ پاکستان مقرر کرے۔ یہ محتسبِ اعلیٰ اضلاع میں محتسبِ ضلع تحصیلوں میں علاقائی محتسب مقرر کریں۔ ادارۂ احتساب کے قانونِ اساسی میں وہ تمام معاملات محتسبِ اعلیٰ کی نگرانی میں دے دیئے جائیں جو اسلامی دور میں محتسب کے دائرہ اختیار میں آتے تھے۔ جن معاملات کے لئے اب الگ ادارے (مثلاً "پاکستان اسٹینڈرڈ انسٹی ٹیوٹ" وغیرہ) بن گئے ہیں وہ بھی محتسبِ اعلیٰ کو جواب دہ ہوں۔ پولیس کا وہ شعبہ جو امنِ عامہ اور نظم و ضبط کا ذمہ دار ہے

اس کا بھی کسی حد تک قریبی تعلق ادارۂ احتساب سے ہونا چاہیے۔

اگر محتسبِ اعلیٰ کے موجودہ مسودۂ قانون پر نظرِ ثانی کرکے اس کو اسلام کے دیوانِ مظالم یا ادارۂ مظالم کی روایات سے ہم آہنگ کر دیا جائے تو ہم ایک اور متروکہ اسلامی روایت کو زندہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ واللہ الموفق